



درود و سلام اس کے آخری پیغمبر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

جمع میں حاضری اور ان سے ملاقات کا اس طرح شرف عطا فرمایا جو شاید صرف ایک دن کے نوٹس پر یہ اجتماع بلایا گیا میں آپ سب حضرات کا دل سے ممنون ہوں کہ آپ نے اتنے مختصر نوٹس پر تشریف آوری کا اہتمام فرما کر مجھے اپنی ملاقات کا شرف عطا فرمایا۔

دو امتزاج

میرے ذہن میں حضرات علماء کرام کی محفل میں ہمیشہ دو قسم کے مختلف جذبات کا امتزاج ہوتا ہے ایک تو الحمد للہ مسرت ہوتی ہے کہ میں اپنی برادری میں اپنے بھائیوں اور اپنے اکابر سے ملنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں اس پر خوشی ہوتی ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کیونکہ میں ایک ادنیٰ سا طالب علم ہوں اور حضرات علماء کرام میرے لیے سرتاج اور قابل صدا احترام و تکریم ہیں ان کی زیارت اور ان سے ملاقات بذات خود ایک سعادت ہے اور دوسری طرف جب مجھے علماء کرام سے خطاب اور ان سے کچھ گزارشات پیش کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو دوسرا امتزاج یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں کہاں اور علماء کرام کہاں؟ میں اس لائق نہیں ہوں کہ ان کی خدمت میں کوئی نصیحت یا گزارش پیش کروں ان کے سامنے لب کشائی اپنی حیثیت سے زیادہ معلوم ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی جب کوئی ایسا موقع آتا ہے تو میں یہ تصور کر لیتا ہوں کہ ہم نے جن دینی مدارس میں پڑھا ہے وہاں ایک طریقہ رائج ہے جس سے ہم سب واقف ہیں کہ جب استاد سے سبق پڑھ لیا جاتا ہے تو طلبہ آپس میں بیٹھ کر ایک کو منتخب کر لیتے ہیں جو ان کو تکرار کرواتا ہے تکرار کروانے والا بھی سناہوتا ہے تکرار کروانے سے وہ استاد نہیں بن جاتا کبھی ایک ساتھی تکرار کرواتا ہے کبھی دوسرا کرواتا ہے، تو میں ایسے موقع پر یہ فرض کر لیتا ہوں کہ میں نے علماء کرام سے جو باتیں سنی ہیں اور الحمد للہ جو دل میں بیٹھی ہوئی ہیں میں انکا تکرار کروا رہا ہوں اللہ تبارک و تعالیٰ صحیح طریقے سے وہ تکرار کروانے کی توفیق عطا فرمادیں جو کچھ بھی عرض کروں گا وہ ان شاء اللہ اسی روشنی میں عرض کروں گا جو اپنے اکابر سے سنا، سیکھا اور پڑھا ہے اس لیے میری ذاتی بات کوئی نہیں ہے بلکہ اپنے اکابر سے سنی ہوئی باتیں ہیں البتہ اس میں یہ ہوسکتا ہے کہ اپنا استنباط بھی ہو اور آپ سب حضرات واقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے استنباط کا دروازہ کھولا ہوا ہے اور حقیقت میں اس کی وجہ بھی انہی اکابر کا روحانی فیض ہے۔

اختلاف کے ہوتے ہوئے احترام کو ملحوظ رکھنا

میں نے ایک فقہی مسئلہ پر تحریر لکھی تھی اور اس میں احترام کے ساتھ، ادب کے ساتھ اور تمام رعایتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک بڑے عالم سے فقہی طور پر استنباط میں تھوڑا سا اختلاف کیا تھا اور وہ مسئلہ لکھ کر میں

نے اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے اس پر ایک تحریر اور بڑا ہی معنی خیز جملہ لکھا کہ الحمد للہ میں نے تحریر دیکھی اور میں اس سے متفق ہوں اور یہ صحیح ہے اور الحمد للہ اپنے اکابر سے فقہی اختلاف رکھتے ہوئے ان کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھنا یہ سلامت فکر کی دلیل ہے اور اپنے بڑے سے کسی مسئلے میں علمی اختلاف بھی کیا جاتا ہے تو یہ درحقیقت اسی بڑے کا روحانی فیض ہوتا ہے لہذا اس اختلاف کو بے ادبی پر محمول نہیں کرنا چاہیے کہ اصل میں علم تو انہی کے پاس تھا اور اس کے نتیجے میں مختلف شعاعیں نکلیں ایک شعاع ایک طرف چلی گئی دوسری شعاع دوسری طرف چلی گئی لیکن اس کا مرکز اور چشمہ ایک ہی ہے۔

اس لیے استنباط کے اندر اللہ تعالیٰ نے بڑا توسع رکھا ہے لہذا جو بھی عرض کروں گا اپنے اکابر ہی کی تعلیمات اور ان کی روشنی میں کروں گا اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق صحیح اور حق بات، حق طریقے اور حق نیت سے کہنے کی توفیق عطا فرمادیں۔

وسائل اور آبادی کی بہتات کے باوجود مسلمان مسائل سے دوچار ہیں

بات دراصل یہ ہے کہ آج عالم اسلام مشرق سے مغرب تک ایسے پیچیدہ مسائل سے دوچار ہے جن سے شاید مسلمان کبھی دوچار نہ ہوئے ہوں عجیب مسئلہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس اس وقت جو وسائل ہیں اور آبادی ہے تاریخ میں کبھی اتنی آبادی اور وسائل میسر نہ تھے وسائل کا حال یہ ہے کہ دنیا کے نقشہ پر اگر نظر ڈالیں تو دنیا کے قلب میں مسلمان بیٹھے ہیں دنیا کی عظیم ترین اور تجارتی لحاظ سے شہ رگ سمجھی جانے والی شاہراہیں آبنائے فاسفورس، نہر سوئز اور خلیج عدن مسلمانوں کے پاس ہیں اور وسائل کا عالم یہ ہے کہ تیل جس کو آج کل کی اصطلاح میں زریال کہا جاتا ہے اس پر مسلمانوں کو تقریباً اجارہ داری حاصل ہے اور تمام مراکز ان کے پاس ہیں دولت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو دولت بھی اتنی کبھی نہ تھی جتنی آج مسلمانوں کے پاس ہے لیکن اس ساری آبادی اور وسائل کی بہتات کے باوجود مسلمان جہاں بھی ہیں کسی نہ کسی مسئلے سے دوچار ہیں اور اس میں اس طرح گرفتار ہیں کہ ان میں آگے بڑھنے کی جرأت اور حوصلہ پیدا نہیں ہو رہا اور اس مسئلے سے نمٹنے کی راہ نہیں مل رہی۔

آج مسلمان تکنوں کی طرح ہیں

یہ عجیب صورتحال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی بہتات کے باوجود مسلمان کبھی اتنے بڑے مسائل سے دوچار نہیں ہوئے جتنے آج ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب لوگ مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کو ایسے دعوت دینگے جیسے دسترخوان پر کھانے کی دعوت دیجاتی ہے صحابہ

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ کیا اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم ہوگی، فرمایا تعداد تو بہت ہوگی لیکن تعداد کی زیادتی کے باوجود وہ ایسے ہوں گے جیسے سیلاب میں بہتے ہوئے تینکے ”لکنہم غناء کغناء السیل“ ان تنگوں کو کوئی اگر گننا چاہے تو انگنت ہونے کی وجہ سے گن بھی نہیں سکتا لیکن اس کے باوجود ان کی حیثیت ایسی ہے کہ سیلاب جس طرف بہا کر لے جا رہا ہے اس طرف وہ نہجے جا رہے ہیں تو یہ کیفیت آج ہمیں آنکھوں سے نظر آرہی ہے یہ کیفیت کیوں پیدا ہوئی اور اس کے اسباب کیا ہیں۔

اس کے اسباب کیا ہیں؟

جب ہم اس پر بات کرتے ہیں تو اکثر و بیشتر زبان پر یہ آتا ہے کہ یہ ہمارے دشمنوں کی سازشیں ہیں جنہوں نے ہمیں اس مقام تک پہنچا دیا ہے ہم چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں ان کی سازشوں کے نتیجے میں ہم بے عزت بھی ہیں اور اپنے مسائل سے دوچار بھی ہیں یہ بات اپنی جگہ درست ہے لیکن سوال یہ ہے کہ دشمن سے آپ کیا توقع رکھتے ہیں؟ دشمن سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ آپ سے محبت کرے گا آپ کی مدد کرے گا آپ کی ترقی کے اسباب پیدا کرے گا دشمن کا تو کام ہی یہی ہے اسکا کیا شکوہ؟ وہ اگر دشمن ہے تو دشمنی ہی کرے گا لیکن اصل بات یہ ہے کہ دشمن تب تک اپنی سازشوں میں کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کوئی خرابی ہمارے اندر موجود نہ ہو ہمارے اندر اگر خرابی نہیں تو دشمن کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اسلام کی تاریخ ہمیشہ اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچایا دشمن کی سازشیں کامیاب ہوئیں، دشمن ان پر فتح یاب ہوا تو وہ اپنی بہادری اور طاقت کی وجہ سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی ہی کسی خرابی یا کسی نقصان کی وجہ سے ہوا، لہذا ہم جو آپس میں بیٹھ کر مجلسوں میں برا بھلا کہتے ہیں کہ فلاں نے ہمارے ساتھ یہ کر دیا اور فلاں نے یہ کر دیا تو اصل بات یہ ہے کہ ہمیں پہلے اپنے گریبانوں میں بھی منہ ڈال کر دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا وجہ ہے کہ دشمن کامیاب ہو رہا ہے اور ہمارے خلاف اس کی تدبیریں کارگر ہو رہی ہیں یہ نکتہ ایسا ہے جو ہمارے لیے ایک بہت بڑا لمحہ فکر یہ ہے اور افسوس کا سامان پیدا کرتا ہے۔ اس موقع پر تمام خرابیوں اور انکے اسباب کا احاطہ ممکن نہیں۔

مسلمانوں کے زوال کے دو سبب

لیکن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس اللہ سرہ کا ایک جملہ نقل کرتا ہوں میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ان کے مرید تھے فرمایا کرتے تھے کہ جب سب بچے کھیل کود کیلئے جایا کرتے تھے تو میں تب بھی حضرت شیخ الہند کی خدمت میں بیٹھا رہتا تھا حضرت دیوبند میں دارالعلوم

کے احاطہ میں تشریف فرما ہوا کرتے تھے اور دارالعلوم کے اساتذہ اور طلباء جن کو آنا ہوتا تھا جمع ہو جایا کرتے تھے اور حضرت کی خدمت میں بیٹھتے تھے اور حضرت مختلف باتیں فرمایا کرتے تھے حضرت والد ماجدؒ کو بہت سی باتیں یاد تھیں اور اکثر ان کا تذکرہ فرماتے تھے تو ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب حضرت شیخ الہند مالٹا کی جیل سے دیوبند واپس تشریف لائے تو اسی طرح کی مجلس میں تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا بھائی! ہم نے مالٹا کی تنہائیوں میں دو سبق سیکھے، یہ کون کہہ رہا ہے جن کے بارے میں حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ انکو شیخ الہند کہنا ان کی توہین ہے یہ اصل میں شیخ العرب والعجم ہیں اور جنہوں نے اسی برس قرآن کی تشریح و تفسیر میں گزار دیے اور پھر اسلام کو سر بلند کرنے کے لیے سیاسی تحریک چلائی اس کے تمام نشیب و فراز سے واقف ہوئے اب اسی سالہ زندگی کے نچوڑ کے طور پر فرما رہے ہیں کہ میں نے مالٹا کی تنہائیوں میں دو سبق سیکھے سب لوگ ہمت نہ گمشا ہو گئے کہ اتنے تجربہ کار بزرگ نے کونسے دو سبق مالٹا کی تنہائیوں میں حاصل کیے فرمایا کہ مسلمانوں کے زوال کے میرے نزدیک دو سبب ہیں جب تک ان کو زائل نہیں کیا جائے گا مسلمان ابھر نہیں سکتے۔

ایک سبب یہ ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا قرآن کریم کے جو حقوق اس کی تلاوت کرنے، اس کو سمجھنے اس پر عمل کرنے اور اس کی دعوت کو پھیلانے کے تھے وہ مسلمانوں نے ترک کر دیے اور دوسرا سبب مسلمانوں کے باہمی افتراق اور آپس کے جھگڑے ہیں جب تک یہ دونوں زائل نہیں ہوں گے مسلمانوں کی مشکلات کا حل نہیں نکلے گا پھر فرمایا کہ میں اپنی آئندہ زندگی انہی دو کاموں پر وقف کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کی خدمت اور نشر و اشاعت اور مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی فکر کروں۔

ان دو باتوں میں سے پہلی بات کی تفسیر میں میں اس وقت نہیں جاتا کیونکہ اس سے آپ سب حضرات واقف ہیں اور کوشش بھی کر رہے ہیں لیکن دوسری بات جو درحقیقت قرآن پر عمل کا ہی ایک لازمی نتیجہ ہے وہ باہمی افتراق و اختلاف، شقاق، جھگڑے، فرقہ واریت، ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی ہے جس نے ہمیں تباہ کر دیا ہے اور جب تک یہ صورتحال درست نہیں ہوگی تب تک ہمیں دشمنوں کا شکوہ کرنے کا اختیار و حق نہیں اگر ہم خود اپنے افتراق و انتشار کو ختم اور اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے قرآن کے سبق ”وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا“ (آل عمران: ۱۰۳) کی طرف نہیں آئیں گے تو دشمن اس افتراق کو استعمال کرتا رہے گا اور ان سے اس کے سوا کیا توقع کی جاسکتی ہے میں اس پر کچھ بات کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو افتراق و انتشار باہمی لڑائی، جھگڑے اور اختلافات ہیں انہوں نے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور اس کے نتیجے میں دشمنوں کو بجا طور پر یہ موقع مل گیا ہے کہ وہ خود ہمیں ہمارے خلاف استعمال

کریں یہاں یہ سمجھنے کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سنت، صحابہ کرامؓ کے عمل اور بزرگانِ دین کے تعامل نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اختلاف کی بہت ساری قسمیں ہوتی ہیں کفر و ایمان کا اختلاف، فسق و فجور اور صلاح کا اختلاف، بدعت و سنت کا اختلاف، اجتہاد کا اختلاف، مسلک کا اختلاف اور مزاج و مذاق کا اختلاف یہ سب اختلاف کی مختلف صورتیں اور مدارج ہیں ہر اختلاف کا حکم علیحدہ ہے۔

کفر و ایمان کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہے لیکن اس اختلاف کا مطلب بھی لڑائی اور نفرتیں نہیں بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحبِ ایمان اپنے ایمان کی حفاظت کرے اور اس پر عمل پیرا ہو لیکن جو غیر مسلم ہے اس سے نفرت نہیں نفرت کفر سے ہے کافر کی ذات سے نہیں نفرت فسق سے ہے فاسق کی ذات سے نہیں لہذا غیر مسلموں سے نفرت کرنا اسلام اور ہمارے دین نے نہیں سکھایا جو شخص کفر کی گمراہی میں مبتلا ہے وہ درحقیقت غصے اور نفرت کا مستحق نہیں بلکہ رحمہ لی کا مستحق ہے یعنی یہ جذبہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو غلط راستے سے نکال کر صحیح راستے پر لے آئیں، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی اور آگ کے اندر پروانے آ کر گر رہے ہیں اور میں کو لیاں بھر بھر کے ان کو آگ سے بچانا اور بٹانا چاہتا ہوں اور اس فکر میں ہوں کسی طرح یہ بچ جائیں، کافر لوگ نفرت کر رہے ہیں اور نفرت ہی نہیں کر رہے بلکہ گالیاں دے رہے ہیں پتھر برسا رہے ہیں لیکن نبی رحمت سرورِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ“ اے رب ان کی مغفرت فرما دیجئے ان کو ابھی حقیقت کا پتا نہیں ہے اگر نفرت ہوتی تو یہ نہ فرماتے کہ یا اللہ ان کو تباہ نہ کیجئے ان کو برباد نہ کیجئے ہو سکتا ہے کہ انکی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو حق کے علم بردار ہوں تو جو لوگ پتھر برسا رہے ہیں، گالیاں دے رہے ہیں، دشمنی کر رہے ہیں ان کے ساتھ بھی رسول کریم ﷺ کا یہ معاملہ تھا کہ راتوں کو رو رہے ہیں اور جان ہلاک کیے ہوئے ہیں کہ کسی طرح یہ راہِ راست پر آجائیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا ”لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ“ (الشعراء آیت ۳) کہ کیا آپ اپنی جان کو ہلاک کر ڈالیں گے اس بناء پر کہ یہ ایمان نہیں لا رہے آپ نے اپنا فریضہ ادا کر دیا قرآن آپ کو تسلی دینے سے بھرا ہوا ہے تو اگر نفرت ہوتی تو یہ درد مندی نہ ہوتی۔

جناب شرافت حسین مرحوم

آپ سب حضرات کو معلوم ہوگا میرے خسر جناب شرافت حسین مرحوم انکی وفات کا بہت سے لوگوں کو پتا چل گیا ہے اور لوگ تعزیت بھی کر رہے ہیں وہ عالم نہیں تھے تاجر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی صحبت عطا فرمائی تھی اور اس کی وجہ سے میں نے ان جیسے اتنے بے نفس اور اپنی ذات کو فنا کیے ہوئے انسان بہت کم

دیکھے ہیں ساری زندگی میں نے ان کی زبان سے کسی کی غیبت اور شکایت نہیں سنی لیکن اگر کبھی برسبیل تذکرہ کسی کا ذکر آجاتا کہ وہ دیندار ہے یا نہیں تو انکی زبان سے ہمیشہ ایک عجیب جملہ نکلتا کہ بیچارے ذرا مسجد میں نظر نہیں آتے تو بیچارے کا لفظ استعمال کرتے تھے کہ بیچارے انکا دین سے زیادہ تعلق نہیں ہے یعنی ایسے ذکر کرتے تھے جیسے کوئی بیماری میں مبتلا ہے کہ بیچارے کو کینسر ہو گیا بیچارے کو ٹی۔ بی ہو گئی ہے یہ تعلیم ملی تھی کہ کسی کافر کے ساتھ بھی نفرت کا نہیں بلکہ محبت کا معاملہ کرنا ہے البتہ محبت کے عنوان مختلف ہوتے ہیں ایک عنوان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی ہدایت عطا فرمادیں جب اس محبت کے ساتھ دعوت ہوتی ہے تو دعوت میں اثر اور اس کا فائدہ ہوتا ہے جب غیر مسلموں کو پتا چلتا ہے کہ یہ ہم سے نفرت نہیں بلکہ محبت کرتے ہیں یہ ہمارے بدخواہ نہیں بلکہ خیر خواہ ہیں تو پھر قرب پیدا ہوتا ہے پھر اگر ایمان کا نور قلب میں موجود ہو تو اس قرب کے نتیجے میں وہ نور دوسرے کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

"مالا بار" میں اسلام کیسے پہنچا؟

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کو دیکھئے ہم میں سے اکثر و بیشتر کیسے مسلمان ہوئے ہم کس کے ممنون احسان ہیں ہندوستان میں سب سے پہلے "مالا بار" کے علاقے میں اسلام آیا وہاں کوئی تبلیغی جماعت یا کوئی جہادی تحریک نہیں پہنچی تھی بلکہ وہاں صحابہ کرام تجارت کے لیے پہنچے تھے انہوں نے وہاں کوئی تبلیغی ہم نہیں چلائی تھی بلکہ وہاں کے رہنے والوں کے ساتھ جس محبت، حسن سلوک اور اخلاق فاضلہ کا مظاہرہ کیا اس نے قرب پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مسلمان کر دیا اور آج ہم لوگ انہی کی بدولت مسلمان ہیں تو ایک اختلاف کفر و اسلام اور حق و باطل کا اختلاف ہے مگر اس میں بھی نفرت نہیں بلکہ محبت، ہمدردی اور خیر خواہی ہے، ہم سے اگر پوچھا جائے کہ فلاں شخص حق پر ہے یا باطل پر تو ہم کہیں گے باطل پر ہے لیکن ایسے ہی کہیں گے جیسے کسی بیمار کو کہا جاتا ہے کہ اس کو فلاں بیماری لاحق ہے لیکن اس بیماری کی وجہ سے اس پر غصہ اور اس سے نفرت نہیں کی جاتی بلکہ محبت اور ہمدردی کی جاتی ہے۔

آج جہاد کی حقیقت مسخ ہو کر رہ گئی ہے

تو اختلاف کی ایک سطح یہ ہے ہاں فرض کریں اگر کسی وقت ضرورت پیش آجائے کہ وہ حملہ آور ہوں اور دفاع کرنا پڑے تو پھر بیشک جہاد بھی شریعت کا ایک اہم رکن ہے لیکن آج جہاد کو بدنام کر کے اتنے غلط معنی پر محمول کیا جا رہا ہے جس سے جہاد کی حقیقت مسخ ہو کر رہ گئی ہے جہاد نبی کریم ﷺ نے مشروع فرمایا قرآن نے اس کی تعلیم دی ہمیں اس کے اسلام کے ایک اہم رکن ہونے سے کبھی شرمانا نہیں چاہیے جہاد ہمارے

کریں یہاں یہ سمجھنے کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سنت، صحابہ کرامؓ کے عمل اور بزرگانِ دین کے تعامل نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اختلاف کی بہت ساری قسمیں ہوتی ہیں کفر و ایمان کا اختلاف، فقہ و فروع اور صلاح کا اختلاف، بدعت و سنت کا اختلاف، اجتہاد کا اختلاف، مسلک کا اختلاف اور مزاج و مذاق کا اختلاف یہ سب اختلاف کی مختلف صورتیں اور مدارج ہیں ہر اختلاف کا حکم علیحدہ ہے۔

کفر و ایمان کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہے لیکن اس اختلاف کا مطلب بھی لڑائی اور نفرتیں نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحبِ ایمان اپنے ایمان کی حفاظت کرے اور اس پر عمل پیرا ہو لیکن جو غیر مسلم ہے اس سے نفرت نہیں نفرت کفر سے ہے کافر کی ذات سے نہیں نفرت فقہ سے ہے فاسق کی ذات سے نہیں لہذا غیر مسلموں سے نفرت کرنا اسلام اور ہمارے دین نے نہیں سکھایا جو شخص کفر کی گمراہی میں مبتلا ہے وہ درحقیقت غصے اور نفرت کا مستحق نہیں بلکہ رحمہ کی کامستحق ہے یعنی یہ جذبہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو غلط راستے سے نکال کر صحیح راستے پر لے آئیں، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی اور آگ کے اندر پروانے آ کر گر رہے ہیں اور میں کو لیاں بھر بھر کے ان کو آگ سے بچانا اور ہٹانا چاہتا ہوں اور اس فکر میں ہوں کسی طرح یہ بچ جائیں، کافر لوگ نفرت کر رہے ہیں اور نفرت ہی نہیں کر رہے بلکہ گالیاں دے رہے ہیں پتھر برسا رہے ہیں لیکن نبی رحمت سرورِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ“ اے رب ان کی مغفرت فرما دیجئے ان کو ابھی حقیقت کا پتا نہیں ہے اگر نفرت ہوتی تو یہ نہ فرماتے کہ یا اللہ ان کو تباہ نہ کیجئے ان کو برباد نہ کیجئے ہو سکتا ہے کہ انکی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو حق کے علم بردار ہوں تو جو لوگ پتھر برسا رہے ہیں، گالیاں دے رہے ہیں، دشمنی کر رہے ہیں ان کے ساتھ بھی رسول کریم ﷺ کا یہ معاملہ تھا کہ راتوں کو رو رہے ہیں اور جان ہلاک کیے ہوئے ہیں کہ کسی طرح یہ راہِ راست پر آجائیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا ”لَعَلَّكَ بِاَخِغُ نَفْسِكَ اَلَا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ“ (الشعراء آیت ۳) کہ کیا آپ اپنی جان کو ہلاک کر ڈالیں گے اس بناء پر کہ یہ ایمان نہیں لا رہے آپ نے اپنا فریضہ ادا کر دیا قرآن آپ کو تسلی دینے سے بھرا ہوا ہے تو اگر نفرت ہوتی تو یہ درد مندی نہ ہوتی۔

جناب شرافت حسین مرحوم

آپ سب حضرات کو معلوم ہوگا میرے خسر جناب شرافت حسین مرحوم انکی وفات کا بہت سے لوگوں کو پتا چل گیا ہے اور لوگ تعزیت بھی کر رہے ہیں وہ عالم نہیں تھے تاجر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی صحبت عطا فرمائی تھی اور اس کی وجہ سے میں نے ان جیسے اتنے بے نفس اور اپنی ذات کو فنا کیے ہوئے انسان بہت کم

دیکھتے ہیں ساری زندگی میں نے ان کی زبان سے کسی کی غیبت اور شکایت نہیں سنی لیکن اگر کبھی برسبیل تذکرہ کسی کا ذکر آجاتا کہ وہ دیندار ہے یا نہیں تو ان کی زبان سے ہمیشہ ایک عجیب جملہ نکلتا کہ بیچارے ذرا مسجد میں نظر نہیں آتے تو بیچارے کا لفظ استعمال کرتے تھے کہ بیچارے انکا دین سے زیادہ تعلق نہیں ہے یعنی ایسے ذکر کرتے تھے جیسے کوئی بیماری میں مبتلا ہے کہ بیچارے کو کینسر ہو گیا بیچارے کوئی۔ بی ہو گئی ہے یہ تعلیم ملی تھی کہ کسی کافر کے ساتھ بھی نفرت کا نہیں بلکہ محبت کا معاملہ کرنا ہے البتہ محبت کے عنوان مختلف ہوتے ہیں ایک عنوان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی ہدایت عطا فرمادیں جب اس محبت کے ساتھ دعوت ہوتی ہے تو دعوت میں اثر اور اس کا فائدہ ہوتا ہے جب غیر مسلموں کو پتا چلتا ہے کہ یہ ہم سے نفرت نہیں بلکہ محبت کرتے ہیں یہ ہمارے بدخواہ نہیں بلکہ خیر خواہ ہیں تو پھر قرب پیدا ہوتا ہے پھر اگر ایمان کا نور قلب میں موجود ہو تو اس قرب کے نتیجے میں وہ نور دوسرے کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

"مالا بار" میں اسلام کیسے پہنچا؟

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کو دیکھئے ہم میں سے اکثر و بیشتر کیسے مسلمان ہوئے ہم کس کے ممنون احسان ہیں ہندوستان میں سب سے پہلے "مالا بار" کے علاقے میں اسلام آیا وہاں کوئی تبلیغی جماعت یا کوئی جہادی تحریک نہیں پہنچی تھی بلکہ وہاں صحابہ کرامؓ تجارت کے لیے پہنچے تھے انہوں نے وہاں کوئی تبلیغی مہم نہیں چلائی تھی بلکہ وہاں کے رہنے والوں کے ساتھ جس محبت، حسن سلوک اور اخلاق فاضلہ کا مظاہرہ کیا اس نے قرب پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مسلمان کر دیا اور آج ہم لوگ انہی کی بدولت مسلمان ہیں تو ایک اختلاف کفر و اسلام اور حق و باطل کا اختلاف ہے مگر اس میں بھی نفرت نہیں بلکہ محبت، ہمدردی اور خیر خواہی ہے، ہم سے اگر پوچھا جائے کہ فلاں شخص حق پر ہے یا باطل پر تو ہم کہیں گے باطل پر ہے لیکن ایسے ہی کہیں گے جیسے کسی بیمار کو کہا جاتا ہے کہ اس کو فلاں بیماری لاحق ہے لیکن اس بیماری کی وجہ سے اس پر غصہ اور اس سے نفرت نہیں کی جاتی بلکہ محبت اور ہمدردی کی جاتی ہے۔

آج جہاد کی حقیقت مسخ ہو کر رہ گئی ہے

تو اختلاف کی ایک سطح یہ ہے ہاں فرض کریں اگر کسی وقت ضرورت پیش آجائے کہ وہ حملہ آور ہوں اور دفاع کرنا پڑے تو پھر بیشک جہاد بھی شریعت کا ایک اہم رکن ہے لیکن آج جہاد کو بدنام کر کے اتنے غلط معنی پر محمول کیا جا رہا ہے جس سے جہاد کی حقیقت مسخ ہو کر رہ گئی ہے جہاد نبی کریم ﷺ نے مشروع فرمایا قرآن نے اس کی تعلیم دی ہمیں اس کے اسلام کے ایک اہم رکن ہونے سے کبھی شرمنا نہیں چاہیے جہاد ہمارے

دین کا ایک اہم حصہ ہے لیکن وہ جہاد جو نبی کریم ﷺ نے سکھایا تھا وہ نہیں جس کا نام لے کر آج معصوموں کی گردنیں اڑائی جا رہی ہیں اور خود کش حملوں کے ذریعہ لوگوں کی جانیں لی جا رہی ہیں وہ جہاد جس کے ہر لشکر کو نبی کریم ﷺ کی یہ تعلیم تھی کہ کسی بچے، عورت، بوڑھے، اور عبادت میں مشغول لوگوں پر ہاتھ نہ اٹھانا یہ اس دور کا جہاد تھا اور یہ اس زمانے میں آپ ﷺ فرما رہے ہیں جب جنگ کا کوئی قانون ضابطہ نہیں تھا۔

جنگ کے معنی یہ ہیں کہ جب دشمن سامنے آجائے تو ہر کام جائز ہے لیکن جو جہاد آپ ﷺ نے سکھایا اس میں حدود و قوانین اور ضوابط متعین فرمائے کہ کب جائز کب ناجائز کتنا جائز کتنا ناجائز ہے لہذا آج جہاد کو جو غلط طریقے سے بدنام کیا جا رہا ہے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ سمجھنا چاہیے کہ کفر و اسلام کے اختلاف میں اصل چیز نفرت نہیں بلکہ محبت و ہمدردی اور دعوت ہے ضرورت کے وقت جہاد بھی ہے لیکن تمام قواعد و ضوابط کا لحاظ رکھتے ہوئے ہے تو یہ اختلاف کا پہلا درجہ تھا۔

دوسرا اختلاف فسق و فجور اور صلاح کا ہے اس میں بھی یہی جذبہ ہونا چاہیے کہ ہم انکوفسق و فجور سے نکالنے کے لیے جو بہتر راستہ ہو اس کو اختیار کریں، تیسرا درجہ اجتہادی اختلاف کا ہے جو قرآن و سنت کی تشریح میں مسائل شرعیہ کے تعین میں ہے یہ اختلاف صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی ہوا لیکن حضرت علامہ ابن قیمؒ ”اعلام المؤمنین“ میں اور علامہ ابن البرؒ ”جامع بیان العلم و فضلہ“ میں فرماتے ہیں کہ تمام اختلافات کے باوجود کسی صحابی کے بارے میں منقول نہیں کہ انہوں نے دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کیا ہو کہ ان کا اجتہاد میرے اجتہاد سے مختلف ہے یہاں تک کہ عبداللہ بن مسعودؓ کا مسلک کچھ اور ہے لیکن امام نے اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھائی تو عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح پڑھی کیونکہ ”الاختلاف شر“ اختلاف شر ہے اجتہادی اختلاف کے باوجود محبتیں بھی ہیں باہمی تعاون، ایک دوسرے کے ساتھ تناصر اور آپس میں احترام بھی ہے اور اس سے کبھی بھی کسی شقاق نے جنم نہیں لیا، اس سے آگے بڑھ کر مزاج و مذاق کا اختلاف ہے سب کچھ متحد ہے لیکن ایک کا مزاج ایک جیسا ہے دوسرے کا مزاج دوسرے جیسا ہے ہم نے جو کر رکھا ہے وہ یہ کہ ہم تمام اختلافات کو ایک ہی لاٹھی سے بانک رہے ہیں اگر کسی سے اختلاف ہو تو اب وہ ایسا اختلاف ہے کہ میں اس کے ساتھ بیٹھ نہیں سکتا اس کی مجلسوں میں شریک نہیں ہو سکتا اسکی دعوت قبول نہیں کر سکتا اگر بیٹھوں گا تو گویا حق کی مخالفت کر رہا ہوں گا اس صورتحال نے ہمیں فرقوں میں بانٹ دیا ہے اب نام یہ نہیں کہ ہم مسلمان ہیں دین کی خدمت کر رہے ہیں نام یہ ہے کہ ہم اپنے مسلک کی خدمت کر رہے ہیں نام یہ ہے کہ ہم دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور سلفی ہیں لہذا اس کے نتیجے میں اسلام کے جو مشترک مقاصد تھے وہ پیچھے پڑے ہوئے ہیں یہ وہ اسباب ہیں جو حضرت شیخ الہندؒ نے بیان فرمائے ہیں تو

بھائیو! میں دکھی دل کے ساتھ پہلے اپنے نفس سے خطاب اور پھر حاضرین سے گزارش کرتا ہوں کہ خدا کے لیے یہ عہد کریں کہ اختلافات کی حدود کو قائم کرنے کا جو طریقہ ہمارے اکابرین نے متعین فرمایا ہے اسکا ہر قیمت پر تحفظ ہو۔

مشترک مقاصد پر مل کر عمل کیا جائے

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان کچھ فساد ہوا حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ مسلمان زیادہ تر وہاں تعزیہ نکالتے ہیں اور تعزیہ صرف شیعہ حضرات نہیں نکالتے بلکہ اہل سنت کے بھی بہت سارے حضرات نکالتے ہیں اور ہندو کہتے تھے کہ ہم تعزیہ نہیں نکالنے دیں گے تو اگر کوئی اور ہوتا تو کہتا کہ بھئی ہندو بہت اچھی بات کر رہے ہیں کہ تعزیہ کی بدعت سے مسلمانوں کو نجات دلانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن حضرت تھانویؒ نے فرمایا نہیں بلکہ ان تعزیہ نکالنے والوں کی حمایت کرنی چاہیے کیونکہ مقابلہ کفر سے ہے اس واسطے کہ وہ مخالفت اس وجہ سے نہیں کر رہے کہ تعزیہ بدعت ہے بلکہ اس لیے کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک علامت ہے تو ہر مقام پر دیکھنا پڑتا ہے کہ اختلاف کو کس حد تک لے جایا جائے اور کون سے ایسے مشترک مقاصد ہیں جن پر مل کر عمل کیا جائے اس واسطے درود دل اور بے تکلفی کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں کہ ہمارا ملک بھی ان اختلافات اور فرقہ واریوں کا شکار ہے۔ لیکن آپ حضرات معاف کریں مجھے یہاں برطانیہ میں خاص طور پر اختلافات کا ایک لامتناہی سلسلہ نظر آ رہا ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جیسے رویت ہلال ایک ایسا مسئلہ ہے جو صل نہیں ہو پا رہا محلے، مسجدیں اور خاندان تقسیم ہیں یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور اجتہادی مسئلے میں کوئی جانب باطل محض نہیں ہوتی اگر مسلمان اپنا اتحاد برقرار رکھنے کے لیے کسی ایک ایسے عمل پر بھی متفق ہو جائیں جس کی اجتہاد میں گنجائش ہے تو ہونا چاہیے لیکن جھگڑے اور اختلافات ہیں جس کی وجہ سے قوم بٹی ہوئی ہے اور اپنے مشترک مقاصد کو بھولی ہوئی ہے۔

نوجوانوں کو صحیح راستے پر لانا ہم سب کا مشترک فریضہ ہے

یہ جو آج اسلاموفوبیا کا نعرہ لگایا جاتا ہے اس اسلاموفوبیا کے ایک بڑے ذمہ دار ہم خود ہیں کہ ہم سے کچھ نوجوان جو بظاہر مخلص بھی نظر آتے ہیں ان کو جہاد کا غلط مطلب بتا کر گمراہ کیا جا رہا ہے اور انہیں یہ کہا جا رہا ہے کہ تم ہتھیار اٹھا کر شریعت نافذ کرو چاہے مسلمان ملک میں ہو یا غیر مسلم ملکوں میں اور وہ نوجوان ہتھیار اٹھا کر اور جہاد کے احکام کے بالکل برعکس تشدد اور دہشت گردی پھیلا کر اس کو اسلام کے نام سے منسوب کرنا چاہتے ہیں ان نوجوانوں کو صحیح ہدایت دینا اور صحیح راستے پر لانا ہم سب کا مشترک فریضہ ہے اس کام کے لیے جب تک سارے مسلمان اپنے سب اختلافات بھلا کر اور پس پشت ڈال کر کوشش نہیں کریں گے اس وقت تک صورتحال یوں ہی رہے گی کہ اسلام کو بھی بدنام کرنا ہوگا جہاد کو بھی بدنام کرنا ہوگا اور مسلمانوں کو بھی بدنام کرنا ہوگا اور مسلمان گویا خود اپنے اوپر دہشت گردی کا ٹھپہ لگالیں گے۔

لہذا میں گزارش کرتا ہوں کہ اس وقت ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں اور نئی نسلوں کو صحیح تعلیم و تربیت دے کر انہیں حقیقت حال سے آگاہ کریں اور انہیں ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں جانے سے بچائیں۔ ٹھیک ہے یہ بات کہی جاتی ہے اور شاید بڑی حد تک صحیح بھی ہے اور اس کے بہت سے قرائن بھی ہیں کہ جتنی بھی دہشت گرد تنظیمیں ہیں جنہوں نے اپنا نام جہادی تنظیمیں رکھا ہوا ہے یہ سب لوگ شمنوں کے کھڑے کیے ہوئے ہیں تاکہ مسلمانوں کو دہرانقصان پہنچایا جاسکے آپس میں لڑائیں بھی اور مسلمانوں کو بدنام بھی کریں کسی بھی تحریک کو جانچنے کا ایک بہت بڑا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ اسکا Beneficiary کون ہے اسکا فائدہ کس کو پہنچ رہا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ Beneficiary اگر کوئی ہے تو اسلام دشمن طاقتیں ہیں لہذا یہ بات اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن ہماری کمزوری ہے کہ ہم نے اپنے نوجوانوں کی صحیح تربیت کرنے اور ان کو حالات سے صحیح واقف کروانے میں کوتاہی کی ہے۔

الحمد للہ آج چونکہ ماشاء اللہ اہل علم کا مجمع ہے اور ان حضرات کا جو اپنی اپنی جگہ مقتداء ہیں تو میں سب سے پہلے خود اور پھر آپ سے خطاب کر رہا ہوں کہ آج کی اس محفل سے اگر ہم فائدہ اٹھائیں اللہ تعالیٰ ہمیں سکی توفیق عطا فرمائیں کہ اختلاف کوئی بری چیز نہیں ہے رائے میں بھی اختلاف ہوتا ہے لیکن یہ شقاق کا ذریعہ نہ بنے میرے والد ماجد کی کتاب ہے ”وحدت امت“ اسکا عربی ترجمہ ”أخلاف ام شقاق“ کے نام سے ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ”خلاف“ اور چیز ہے ”شقاق“ اور چیز ہے ”خلاف“ برا نہیں رائے میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن شقاق برا ہے جس کے نتیجے میں ہم ایک دوسرے سے جدا ہو کر بیٹھ جائیں تو ان اختلافات کو بھلا کر اور پس پشت ڈال کر، آپ بے شک مدارس میں اختلافات کے علمی دلائل بیان کریں لیکن اس کو فرقہ واریت کا ذریعہ نہ بنائیں تمام مسالک اور مکاتب فکر مل کر اس فتنے کا سد باب کریں آج مسلمانوں کے خلاف غلط سلطہ پروپیگنڈہ ہو رہا ہے ہمارا فرض ہے کہ اس پروپیگنڈے کا عالمانہ انداز میں مدلل جواب دیں اور اس فضا کو بدلنے کی کوشش کریں جو ہمارے خلاف ساری دنیا میں پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اگر ہم اس موضوع پر متفق ہو جائیں اور یہ جذبہ ہمارے اندر پیدا ہو جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں گی اور اللہ تعالیٰ ان مشکل حالات سے نکلنے کی توفیق عطا فرمائیں گے لیکن مایوسی پیدا کرنا بری بات ہے لہذا مایوسی ہونے کے بجائے صحیح راستہ اختیار کر کے اللہ سے رجوع کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ ان حالات کو بدل دیں گے اور یہ ظلمتیں دور ہوں گی اور اجالا پھیلے گا۔
وَاخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

